احمد حاطب صدیقی

رواداری: اسلامی تہذیب کا ایک اہم وصف

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں اور درخشندہ صفت، اس تہذیب کے حامل افراد میں پائی جانے والی مذہبی رواداری ہے۔ اسلامی تہذیب نے دیگر تمام مذاہب کے ماننے والوں سے ایسے رشتے استوار کیے کہ دین اسلام کی رحمتوں، برکتوں اور سعادتوں سے تمام مذاہب کے پیروکار یکساں طور پر مستفید ہو سکے۔

اسلامی تہذیب کی بنیاد جن عقائد پر ہے، وہ اپنے ماننے والوں میں ابتداء ہی سے ازالہ و تنفّر (Repulsiveness) پیدا کرنے کے بجائے امالہ اور رغبت (Inducement) کی صفات پیدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اہل اسلام کو تعلیم دی گئی ہے کہ

> کہو، ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس تعلیم پر جو ہماری طرف اتاری گئی ہے، اور اس تعلیم پر جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی تھی، اور جو موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ ہم اللہ کے مطیع فرمان ہیں۔ پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو، تو وہ سیدھے راستے پر ہیں۔ (البقرہ: ۱۳۶-۱۳۷)

قرآن حکیم اپنے ماننے والوں کو اس بات سے روشناس کرتا ہے کہ تمام انبیائے کرام نے ایک ہی دین یعنی اسلام کی دعوت پیش کی ہے۔

> اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا گیا اور جس کا حکم تم کو بھی دیا گیا ہے۔ اور اسی کا حکم ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیا کہ قائم کرو دین کو اور اس میں اختلاف نہ کرو۔ (الشوریٰ: ۱۳)

قبولِ اسلام ایک رضاکارانہ عمل ہے۔ چنانچہ اسلام یہ بات واضح طور پر اپنے پیروکاروں کو بتاتا ہے کہ دین میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

> کیا آپ لوگوں کو اس بات پر مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ وہ مومن ہو جائیں؟ (یونس: ۹۹)

امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) نے ان ہی آیات کریمہ کی روشنی میں لکھا ہے کہ

"شریعت الٰہیہ میں غیر مسلموں سے تعلق کی اصل صلح و امن ہے نہ کہ جنگ و جدل۔"
چنانچہ جنگ کی اجازت صرف انہی غیر مسلموں سے ہے جو خود برسرپیکار ہو جائیں۔
اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ایسے لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، ان سے جو لوگ دوستی کریں، وہی ظالم ہیں۔ (الممتحنہ: ۸-۹)

جنگ کا ایک مقصد یہ ہے کہ فتنہ و ظلم کی سرکوبی ہو۔
تم ان سے اس وقت تک لڑو جب تک فتنہ و فساد ختم نہ ہو جائے اور بندگی صرف اللہ کے لیے نہ ہو جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔ (البقرہ: ۱۹۳)

دوسرا مقصد یہ ہے کہ تمام ادیان کی عبادت گاہیں محفوظ رہیں۔ یہ حفاظت فقط حصار اسلام میں رہنے والوں ہی کو میسر آتی ہے۔

اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ بعض کے ذریعہ سے بعض کی مدافعت نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں (صوامع) اور گرجا اور معابد و مساجد جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جاتیں۔ (الحج: ۳۹-۴۰)

مسلمانوں کو دوسرے ادیان کے لوگوں سے دین کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اچھا طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقے سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں اور ان سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے، اور اس چیز پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی۔ ہمارا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے، اور ہم اُسی کے مسلم (فرمانبردار) ہیں۔ (العنکبوت: ۴۶)

رواداری کے تقاضوں کے مطابق باہمی اشتراک اور ہم آہنگی پیدا کرتے ہوئے گفتگو (Dialogue) کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔

کہو اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ (آل عمران: ۶۴)

ضمنی طور پر اس بات کی نشاندہی غیر متعلق نہ ہوگی کہ توحید کی تعلیم و تلقین بائبل میں موجود ہے۔

فقیہوں میں سے ایک نے اُس سے پوچھا کہ سب حکموں میں سے اوّل حکم کون سا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اوّل یہ ہے اے اسرائیل! سُن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ فقیہہ نے اس سے کہا، اے استاد! کیا خوب تو نے سچ کہا کہ وہ ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں۔ (مرقس، ۱۲: ۲۸-۳۲)

"تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اسی کی عبادت کر" (لوقا، ۴: ۸)

ہر مسلمان کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور تمام رسولوں پر ایمان لائے، ان تمام کا تذکرہ نہایت احترام سے کرے، ان میں سے کسی سے کوئی تفریق نہ کرے، ان کے پیروکاروں سے ظلم و زیادتی نہ کرے، نرمی اور محبت سے پیش آئے، اگر ان میں سے کوئی کسی مسلمان کا ہمسایہ ہے تو مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا ایک اچھا پڑوسی ثابت ہو، اس کے ساتھ اعلیٰ ترین اخلاق اور بہترین معاملات رکھے، اس کی ضیافت قبول کرے یہاں تک کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے اور ان سے خاندانی رشتے استوار کرنے کی گنجائش بھی موجود ہے۔

جب نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، جہاں یہودیوں کی ایک قابل ذکر تعداد آباد تھی تو آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کی طرف سے جو پہلا کام کیا وہ مہاجرین مکہ، انصار مدینہ اور مقامی یہودیوں کے درمیان کیا جانے والا ایک معاہدہ تھا جسے "میثاق مدینہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے اسلامی ریاست نے یہ پابندی اپنے اوپر عائد کی تھی کہ یہود کے عقائد کا احترام کیا جائے گا۔ ان کو جانی اور مالی تحفظ مہیا کیا جائے گا اور یہود، مدینہ پر حملے کی صورت میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔

اہل کتاب میں سے بعض افراد خود نبی اکرم ﷺ کے ہمسائے تھے، چنانچہ آپ ﷺ ان کے ساتھ بہترین سلوک کا اہتمام فرماتے، ان کے گھر ہدیہ ارسال فرماتے اور ان کے پیش کردہ تحائف بھی قبول فرمایا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی اسی رواداری سے فائدہ اٹھا کر ایک یہودی عورت نے آپ کے خلاف سازش کی اور ایک دن بکری کی بھنی ہوئی زہر آلود ران بھیجی، کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ نبی اکرم ﷺ اُس کے گھر سے آیا ہوا ہدیہ قبول فرمالیں گے۔ رسول اللہ ﷺ اُس سے ایک بہت اچھے

ہمسائے کی حیثیت سے پیش آتے تھے۔

ایک بار حبشہ سے کچھ عیسائی مدینہ طیبہ آئے تو رسول اکرم ﷺ نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان مہمانوں کی خاطر تواضع اور خدمت اپنے ذمہ لے لی۔ صحابہؓ نے اپنی خدمات پیش کیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لیے معزز حیثیت رکھتے تھے، اس لیے میں نے پسند کیا کہ میں بذات خود ان کی تعظیم و تکریم کروں۔

جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تو آپ ﷺ نے اس وفد کو بھی مسجد نبوی میں ٹھہرایا، اور انہیں یہ اجازت دی کہ وہ مسجد نبوی کے اندر ہی اپنے طریقے پر عبادت کر لیا کریں۔ چنانچہ وہ لوگ مسجد نبوی کی ایک جانب اپنے طریقے پر عبادت کرتے اور رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ دوسری طرف جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ جب ان لوگوں نے اپنے دین کے حق میں حضور ﷺ سے بحث کی تو آپ ﷺ نے پوری توجہ سے ان کا استدلال سنا اور بڑی نرمی، احترام اور حسن اخلاق سے ان کے دلائل کا جواب دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں نے بھی غیر مسلموں سے رواداری اور خوش خلقی کی روایت قائم رکھی۔

حضرت عمرؓ جب بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئے اور بیت المقدس کے بڑے گرجا گھر میں تھے کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا تو انہوں نے محض اس اندیشہ سے گرجا گھر میں نماز ادا کرنے سے انکار کر دیا کہ کہیں ان کے وہاں نماز ادا کرنے سے بعد میں مسلمان یہ نہ کہنے لگیں کہ اب تو یہ ہماری مسجد بن گئی ہے، لہذا اسے مسلمانوں کے قبضے میں ہونا چاہیے۔

ایک بار مصر کی ایک مسیحی خاتون نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ مصر کے گورنر عمروؓ بن العاص نے اس کا گھر اس کی مرضی کے خلاف مسجد میں شامل کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر سے جواب طلبی کی تو انہوں نے بتایا کہ

مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی اور مسجد کی جگہ ناکافی تھی۔ مسجد سے ملحق اس عورت کا گھر تھا۔ اس کو مکان کی قیمت پیش کی گئی جو مکان کی اصل حیثیت سے کہیں زیادہ تھی، لیکن اس نے وہ لینے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً ہمیں اس کا مکان بزور گرا کر مسجد میں شامل کرنا پڑا۔ مکان کی قیمت بیت المال میں اماناً جمع کرا دی گئی ہے کہ وہ جب چاہے نکال لے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کا یہ جواب ہماری موجودہ دنیا کے قوانین کے مطابق بھی معقول تھا کیوں کہ اجتماعی ضرورتوں کے لیے حکومت انفرادی املاک جبراً بھی حاصل کر سکتی ہے۔ لیکن حضرت عمر

فاروقؓ نے اپنے گورنر حضرت عمروؓ بن العاص کا عذر تسلیم نہیں کیا اور انہیں حکم دیا کہ

> مسجد کی وہ جدید توسیعی عمارت جو اس عورت کی زمین پر تعمیر ہوئی ہے یکسر ڈھا دی جائے اور اس کا گھر اسی طرح بنا کر دیا جائے جس طرح پہلے تھا۔

بعد کے ادوار میں بھی دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم ریاستوں نے غیر مسلموں کے ساتھ انسان دوستی کا سلوک اور مذہبی رواداری کی یہ پالیسی جاری رکھی۔

آج بھی متعدد مسلم ممالک میں جا بجا دیکھا جا سکتا ہے کہ مسجد اور کلیسا ساتھ ساتھ ایستادہ ہیں۔ مسلم حکام نے ہر دور میں، بحیثیت مجموعی غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی دی اور انہیں اپنی عبادت گاہوں کے انتظام و انصرام اور تمام مذہبی امور میں پوری طرح بااختیار کیا، اسلامی حکومتیں ان کے معاملات میں کسی قسم کی کوئی مداخلت نہ کرتیں، بلکہ اگر ان کے اپنے لوگ ان پر کوئی زیادتی کرنے آتے تو اسلامی حکومت ان کا دفاع کرتی اور ان کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرتی۔ مثلاً سلطنت روما کے دور میں یونانی مسیحیوں کا "ملکانی" فرقہ مصر کے قبطی مسیحیوں پر ہمیشہ ظلم کرتا تھا یہاں تک کہ ان کے گرجا گھروں کو لوٹ لیتا اور بسا اوقات ان پر قابض ہو جاتا تھا۔ جب مسلمانوں نے مصر فتح کیا تو اس ظلم کا ازالہ کیا اور قبطی مسیحیوں کو ان کی تمام املاک "ملکانیوں" سے واپس دلوا دیں۔

بعد میں قبطی مسیحیوں نے مسلم عہد میں "ملکانیوں" سے سابقہ مظالم کا انتقام لینا شروع کر دیا اور ان کی املاک پر قبضہ کرنے لگے۔ اب "ملکانیوں" نے ہارون الرشید سے فریاد کی۔ ہارون الرشید نے "ملکانیوں" کے بطریق سے مشورہ کر کے قبطیوں سے "ملکانیوں" کی تمام جائیدادیں واگزار کروائیں۔

سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد وہاں کے کیتھولک مسیحیوں کو اپنے معاملات میں ایسی آزادی و خود مختاری عطا کی کہ ریاست کے اندر ان کی ایک علیحدہ ریاست کا گمان ہوتا تھا۔ انہیں ایسی آزادیاں خود اپنی ہم مذہب بازنطینی حکومت کے دور میں بھی حاصل نہ تھیں۔ قسطنطنیہ کے مسیحی پانچ سو برس تک اسی شان اور اسی آزادی کے ساتھ مسلم ریاست میں زندگی بسر کرتے رہے۔

اسلامی فتح کے بعد کلیسا یوحنا میں جو بعد میں جامع اُموی کے نام سے مشہور ہوا، مسیحیوں کی اجازت سے مسلمانوں نے نماز ادا کرنا شروع کی اور انہوں نے بخوشی اس کا نصف حصہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا، چنانچہ لوگ یہ منظر حیرت سے دیکھتے ہیں کہ مسیحی مشرق کی طرف منہ کر کے اپنی عبادت ادا کر رہے ہیں اور مسلمان قبلہ رُو سر بسجود ہیں۔

مسلمانوں کی اس مذہبی رواداری کے معترف خود مغرب کے حق پسند مؤرخین بھی ہیں چنانچہ پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ مسیحی فرقوں کے اعمال و کردار پر تنقید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> اسلامی رواداری کے اصول اس طرح کے کاموں کی اجازت ہرگز نہیں دیتے جو ظلم اور عدوان تک جا پہنچیں۔ اس لئے مسلمانوں کا معاملہ دوسرے اہل مذاہب کے طرز عمل

کے بالکل برعکس رہا۔ بلکہ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب کے فرقوں کے ان مظالم کو روا نہیں رکھا جو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے پر باہمی تعصب کی بناء پر کیے تھے۔ اس لیے کہ ہمارے سامنے تاریخ کی یہ شہادت ہے کہ مسلمانوں کی رعایا میں جو مختلف عیسائی فرقے تھے ان کے درمیان عدل و انصاف کرنے میں مسلمانوں نے ذرا بھی کوتاہی نہیں کی۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ فتح مصر کے بعد عیسائیوں کے یعقوبی فرقہ نے موقع پا کر سابق بازنطینی سلطنت کے عیسائیوں کے کیے ہوئے ظلم کے انتقام میں ان کی املاک اور گرجوں پر قبضہ کر لیا، لیکن اسلامی حکومت نے پورا پورا انصاف کیا اور قدامت پرست عیسائیوں کی تمام املاک اور تمام گرجوں کو واپس دلوا دیا، جن جن پر بھی وہ اپنا حق ثابت کر سکے۔

ہم جب اسلامی حکومت کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کی اپنی عیسائی رعیت کے ساتھ اس قدر انصاف اور عدل اور مذہبی رواداری کا مشاہدہ کرتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا تلوار کے زور سے پھیلنے والا پروپیگنڈا قابلِ تصدیق اور در خور اعتناء نہیں ہے۔

محض اسلامی حکومتوں اور مسلم حکام ہی نے اپنی غیر مسلم رعیت کے ساتھ رواداری کی روشن مثالیں قائم نہیں کیں بلکہ تاریخ میں عام مسلمانوں اور شعراء و ادباء سمیت زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے "افراد" کی بھی ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو ہر لحاظ سے مسلمانوں کی وسعتِ قلبی اور مذہبی رواداری کا بین ثبوت ہیں۔